THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.2, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

قرآن حکیم پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

"Answers to the Objections of Orientalists to the Holy Quran"

- حافظ شازیہ شفیع

ایم فل، شعبہ اسلامک سٹڈیز، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

shaziashafi132@gmail.com

- پروفیسر ڈاکٹر محمد ادریس لودھی

سابقہ چیئر مین (ر)، شعبہ اسلامک سٹڈیز، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Abstract:

The Holy Qur'an is the true and divinely revealed word of Allah. There is no possibility of any error or alteration in it. Allah Himself has taken responsibility for its preservation; therefore, no change or distortion has occurred in the Qur'an from the time of its revelation to the present day. As the Qur'an is the sacred scripture of Islam, it has been the subject of criticism and objections by opponents of Islam throughout history. Among those who raised the greatest number of objections were the Orientalists. They repeatedly questioned various aspects of the Qur'an, but Muslim scholars and Islamic intellectuals responded with sound reasoning, scholarly arguments, and authentic evidence. The objections raised against the Qur'an, along with the responses provided by Muslim scholars, have become an important part of intellectual history. These discussions serve as a valuable repository of knowledge and arguments for later researchers, critics, and Islamic scholars. The scholarly responses to past objections further demonstrate the completeness, authenticity, and excellence of the Qur'an and provide significant guidance for students and researchers engaged in Qur'anic studies.
Keywords: Holy Qur'an, Orientalists, The Holy Qur'an and Orientalists, Objections to the Holy Qur'an

تلخیص:

قرآن مجید کلام برحق اور الہامی کتاب ہے۔ قرآن مجید میں کسی قسم کی غلطی کا امکان بھی موجود نہیں۔ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ پاک نے اپنے ذمہ لیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وقت نزول سے لے کر اب تک اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو نہیں دیکھا جاسکا۔ قرآن مجید کیونکہ ایک اسلامی کتاب ہے اس لیے اس پر مذہب دشمن اور اسلام افراد نے ہر دور میں سوالات اٹھائے ہیں۔ قرآن مجید پر سوال اٹھانے والوں میں سب سے زیادہ تعداد مستشرقین کی ہے۔ قرآن مجید پر مستشرقین نے ہر مرتبہ سوالات اٹھائے جن کے جوابات علماء اسلام اور اسلامی سکالرز نے علمی اور مدلل گفتگو سے دیئے۔ قرآن مجید پر اعتراض کرنے والوں، ان کے اعتراضات اور ان اعتراضات کے جوابات تاریخ کا حصہ ہیں جو بعد میں آنے والے معترضین اور اسلامی سکالرز کے لیے علمی دلائل کا خزانہ تصور کیے جاسکتے ہیں۔ماضی میں اٹھائے جانے والے اعتراضات کے جواب اور علمی دلائل قرآن حکیم کی کاملیت اور فضیلت میں اضافہ کرتے ہیں جو کہ قرآنی علوم پڑھنے اور ان علوم پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک بہترین راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔۔۔۔
کلیدی الفاظ: قرآن حکیم، مستشرقین، قرآن حکیم اور مستشرقین، قرآن حکیم پر اعتراض

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337
Vol.4, No.2, 2026

قرآن مجید خداتعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ جوانسانیت کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔(1)اور اس کے کسی غلطی یا تغیر و تبدل سے محفوظ و مامون ہونے کا اعلان فرمایا۔(2)ان تمام الہی ضمانتوں کے باوجود مسلمانوں نے عالم اسباب میں بھی حفاظت متن قرآن مجید میں وہ کوششیں کی ہیں۔ جو یقینا اپنی مثال آپ ہیں۔ اور جن کی نظیر دنیا میں کوئی قوم پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن مجید کے مقام و مرتبے کے حوالے سے مشرکین مکہ نے بھی اس کی شدید ترین انداز سے مخالفت کی انہوں نے لوگوں کو اس سے بدگمان کر کے اس سے دور کرنے کی تمام کوششیں کیں۔ کبھی اسے ساحر کا کلام کہا، کبھی کاھن کا، کبھی شاعر کا کلام کہا۔ تو کبھی اسے (نعوذ باللہ) ایک مجنوں کی زبان کہی یا ان کی ساری کوششیں اس مقصد کے تحت تھیں۔ کہ لوگوں کو اس سے بدگمان کر دیا جائے۔ اہل مغرب کی سیاسی یلغار کے آغاز کے بعد قرآن مجید کو معاندین کے ایک اور گروہ سے واسطہ پڑا۔ یہ گروہ مستشرقین کا گروہ تھا۔ اس نے قرآن دشمنی میں کتمان حق اور مسخ حقائق کی تمام حدود کو تہہ و بالا کرتے ہوئے قرآن مجید کے بارے میں ایسے بے سروپا باتیں کہیں۔ کہ فہم و شعور رکھنے والا ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا۔ انہوں نے قرآن مجید کو انسان کا کلام قرار دیا۔ اور اس میں تحریف ثابت کرنے کے لئے دلائل گھڑے۔

مستشرقین کے اعتراضات اور تاریخ تدوین قرآن مجید کے بارے میں ان کا یہ نقطہ نگاہ تقریباً سبھی مستشرقین میں مشترک طور پر موجود ہے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کی کتب سے ہی بعض ضعیف اور ناقابل اعتبار روایات کی بنیاد پر بعض روایات کے من مانے معانی کر کے مخصوص نتائج حاصل کئے ہیں۔

ان اعتراضات کے رد اور حقیقت حال کی وضاحت کے لئے ہم سب سے پہلے تاریخ تدوین قرآن مجید کے حوالے سے تفصیلات پیش کریں گے۔ تاکہ واضح ہو جائے۔ کہ تحریر قرآن کے حوالے سے کیا ذرائع کی موجودگی میں اس بات کا امکان باقی نہیں رہ جاتا۔ کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع ہو گیا ہو گا۔ مستشرقین نے اسلامی ماخذ سے روایات حاصل کر کے قرآن پر اعتراضات اچھالے ہیں۔

قرآن مجید کے لکھا ہوا ہونے پر اس کی داخلی شہادت:

قرآن مجید کی کتابت کا کام نزول وحی کے ساتھ ساتھ ہی سرانجام دیا جارہا تھا۔ اس پر قرآن مجید کی داخلی شہادت بھی موجود ہے۔

اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ(3)

"اس قرآن مجید کو جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا کام ہے۔ پس جب ہم پڑھنے لگیں۔ تو ہمارے ساتھ پڑھیں۔ "

اس آیت مبارکہ میں تاکید جملہ کے لیے "ان" اور حصر کیلئے "علینا" مقدم کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جمع کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

- جمع صدر یعنی سینے اور حافظے میں محفوظ کرنا
- جمع مکتوبی یعنی تحریر کے ذریعے جمع و محفوظ کرنا

جمع صدر کے بارے میں قرآن مجید میں ہے۔

بَلۡ ہُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ(4)

یہ کتاب روشن آیات کا مجموعہ ہے۔ جو علیہ والوں کے سینوں میں موجود ہے۔ کتابت کے بارے میں بھی یوں ارشاد ہے۔

وَ الطُّوۡرِ وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ(5)

یعنی یہ کتاب قرآن مجید کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔

سورۃ الواقعہ میں فرمایا

اِنَّہٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ(6)

The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

Vol.4, No.2, 2026

قرآن مجید عزت والی کتاب ہے۔ جو محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اس کو پاک لوگ چھوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں قرآن معاملے کی مزید یوں وضاحت کرتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (7)

یہ کافر لوگ کہتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی بارگی کیوں نہیں نازل کر دیا گیا۔ (یہ اس لئے نہیں کیا گیا) تاکہ آپ کے قلب کو تسلی دی جاسکے اور تاکہ ہم اسے ٹھہر ٹھہر کر ادا کریں۔

حضور ﷺ نزول وحی کے بعد میں کام کے لئے سب سے زیادہ مستعد و بے چین ہوتے تھے۔ وہ کتابت وحی کا مسئلہ ہوتا تھا۔ (8) یہ بات بھی فقہ روایت سے ثابت شدہ ہے۔ کہ حضرت جبرائیل حضور ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے اور آخری رمضان المبارک میں دور دو مرتبہ کیا گیا۔ (9) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بات کا کوئی امکان موجود نہ تھا۔ کہ قرآن مجید کا کوئی شوشہ بھی ایسا ہو سکتا تھا۔ جو ادھر ادھر گیا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا۔ تو جبرائیل انہیں ضرور یاد کروادیتے ہونگے۔ حضور ﷺ آخری وحی کے نزول کے بعد تقریباً نوے روز تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ان حالات میں اس بات کا بھی کوئی واقعاتی امکان باقی نہیں رہ جاتا کہ آپ ﷺ نے اتنے طویل عرصے تک قرآن مجید کا کوئی حصہ ویسے ہی چھوڑ رکھا ہوگا۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ کے بستر کے نیچے کچھ آیات ایسی پڑی رہ گئیں۔ جو اور روایت یوں بھی ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیات بکری کھا گئی۔ (10)

ایک طرف مسلمانوں کی مستند اور ثقہ ترین کتب میں موجود ایسی روایات ہیں۔ جو ایسے کڑے معیار سے گزر کر ان کتب میں محفوظ کی گئی ہیں۔ جن کی نظیر دنیا کی کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی، اور دوسری جانب مستشرقین کی قیاس آرائیاں اور غیر معتبر روایات ہیں۔ ہر ذی شعور اور صاحب فہم وادراک شخص ہی فیصلہ کریگا کہ مستند روایات کو زیادہ اہمت دی جائیگی۔

اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت طور پر وہ سب کچھ جو آپ ﷺ پر قرآن مجید کی صورت میں نازل ہوا۔ امت تک مکمل صورت میں پہنچانے پر مجبور تھے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (11)

اے رسول ﷺ آپ پر اپنے رب کی جانب سے جو کچھ نازل کیا گیا۔ آپ اسے لوگوں تک پہنچادیں۔ کہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا۔ تو آپ نے اپنا فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا۔

ان شواہد کے علاوہ بھی ایسے دلائل وروایت موجود ہیں۔ جن میں عہد نبوی میں مختلف صحابہ کرام کے پاس مکمل قرآن مجید کے نسخے موجود ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

بخاری شریف، مسلم شریف، کنزالعمال میں روایات ہیں۔ کہ حضرت عائشہؓ کے پاس قرآن مجید کے نسخہ موجود تھا۔ بخاری والی روایت میں ہے۔ کہ اس مصحف کی زیارت کے لئے ایک شخص عراق سے مدینہ طیبہ آیا تھا۔ (12) مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ کہ ابو یونس سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ نے مجھے قرآن مجید لکھ کر دینے کا حکم فرمایا۔ (13) کنزالعمال والی روایت میں کہ ہشام بن عروہ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہؓ کے نسخہ قرآن مجید سے تلاوت کی۔ (14) تہذیب التہذیت میں حضرت عقبہ بن عامر الجہنی کے نسخے کا ذکر ہے۔ (15) فتح الباری کی نویں جلد میں بھی اس سلسلے کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ (16) مسند احمد میں عبد اللہ ابن عمر ابن العاص کے بارے میں اس طرح کی روایت موجود ہے۔ (17) حضور ﷺ کے متعدد فرامین اس سلسلے میں موجود ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید کو ناظرہ پڑھنے کی تلقین وترغیب فرمائی۔ اس سلسلے میں چند روایات ذیل پیش کی جاتی ہیں۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

۱۔ عن عمر واابن اوس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قراء تک نظیراً تضاعف علی قراءتک ظاھراًعضمل المکتوبہ علی النافلاۃ۔(18)

عمر وابن ااوس سے روایت ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا اس کی زبانی تلاوت سے وہی نسبت رکھتا ہے۔ جو فرض نمازوں کو نفل نمازوں پر ہے۔

۲۔ عن عبادۃ بن الصامت قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل عبادۃ امتی مراءہ القرآن نظراً۔(19)

عبادہ بن صامت سے مروی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میری امت کی افضل عبادت یہ ہے۔ کہ وہ دیکھ کر قرآن مجید پڑھا جائے۔

۳۔ عن عبد اللہ بن زبیر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرنا القرآن ناظراًحتی یختمۃ غرس اللہ لہ بہ شجرہ فی الجنۃ۔(20)

جو شخص قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا ہے۔ اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگادیں گے۔

یہ چند روایات ہم نے مثال کے طور پیش کر دی ہیں۔ اس طرح کی متعدد روایات اور کتب حدیث میں بھی موجود ہیں۔ جن سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن مجید کے مکتوب ہونے پر دلائل ملتے ہیں۔

مستدرک حاکم کی روایت ہے۔ کہ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں۔

کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نوءلف القرآن فی الرقاع(21)

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر قرآن حکیم چرمی ٹکڑوں پر جمع کیا کرتے تھے۔ اس روایت کی تشریح میں مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔ مختلف سورتوں میں وحی کے ذریعے جو اضافے ہوتے رہتے تھے۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے انہیں جوڑتے رہتے تھے۔ اور یوں تدریجاً قرآن کی ان سورتوں کے وہ نسخے جو صحابہ کے پاس جمع ہوتے چلے جاتے تھے۔ مکمل ہوتے رہے تالیف کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صحابہ صرف نقل ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جن جن سورتوں کی متعلقہ آیات اس وقت نازل ہو چکی ہوتیں، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان سورتوں کے ان مقامات پر ترتیب دے کر لکھا کرتے تھے جہاں پر انہیں ہونا چاہیے تھا۔

عہد نبوی میں کتابت قرآن حکیم کا محققانہ جائزہ لیں۔ تو پتہ چلتا ہے۔ کہ اس وقت بہت سے نسخے مکمل طور پر معرض وجود میں آچکے ہیں۔ محققین نے ثابت کیا ہے۔ کہ عہد نبوی میں کم از کم تیرہ نسخے تو مکمل طور پر موجود تھے۔ جن کی تحقیقات کے مطابق بخاری شریف، مسلم شریف، تہذیب التہذیب ،الاستعیاب کے حوالے سے مندرجہ ذیل حضرات نے عہد نبوی میں قرآن مجید جمع کیا ہوا تھا۔

۱۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ۲۔ حضرت ابی بن کعبؓ ۳۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۴۔ حضرت ابوزیدؓ(22)

ان چاروں کا ذکر "بخاری شریف" جلد سوم باب جمع القرآن اور مسلم شریف جلد سوم باب جمع القرآن موجود ہے۔

۵۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ۔(23) ان کے قرآن جمع کرنے کا تذکرہ "تہذیب التہذیب" جلد ہفتم صفحہ ۲۴۳ میں موجود ہے۔

۶۔ حضرت سعد بن عبیدؓ۔(24) ان کے جمع قرآن کا ذکر الاستعیاب جلد دوم صفہ ۵۶۵ میں کیا گیا ہے۔

۷۔ حضرت عثمانؓ ۸۔ حضرت تمیم داریؓ

۹۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ ۱۰۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ

۱۱۔ حضرت علیؓ ۱۲۔ حضرت ابن مسعودؓ ۱۳۔ حضرت ابودرداؓ(25)

ان تیرہ نسخوں میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر کے نسخوں کا ذکر نہیں ہے۔دونوں حضرات وحی کے کاتب تھے۔اور دیگر بہت سی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے قرآن مجید حفظ بھی کیا تھا اور لکھا بھی تھا۔

عہد نبوی میں جن لوگوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔ان کا کوئی شمار و حساب ہی نہیں ہے۔الفہرست کے مئولف ابن الندیم نے مندرجہ ذیل حضرات کے اسماء گرامی بیان کر کے لکھتا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی موجودگی میں قرآن حکیم مکمل طور پر لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔

۱۔	علی بن ابی طالبؓ	۲۔	سعد بن عبادؓ	۳۔	ابو الدرداؓ
۴۔	عمیر بن زیدؓ	۵۔	معاذ بن جبلؓ	۶۔	ابو زید
۷۔	ابی بن کعبؓ	۸۔	عبید بن معاویہؓ (26)		

علامہ سیوطی نے بھی ان لوگوں کی فہرست پیش کی ہے۔جنہوں نے عہد نبوی میں مکمل قرآن لکھ رکھا تھا۔(27)

کیا حفاظت قرآن مجید کا پورا دارو مدار حفظ پر ہی تھا؟:

مستشرقین کا یہ تاثر ہرگز درست نہیں۔کہ محض چند لوگ حفاظ قرآن موجود تھے۔اور ان میں سے بھی کسی کو قرآن یاد ہو گا۔کسی نے بھلا دیا ہو گا۔حالانکہ عہد نبوی میں حفاظ قرآن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔یہ ایک دو کی بات نہ تھی۔بلکہ جماعت صحابہ کی کثیر تعداد حافظ تھی۔اس سلسلے میں ذیل حقائق سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

۱ ۔ احد کے شہداء کی تدفین کے وقت اس شخص کو قبلہ کی طرف پہلے دفن کیا جاتا جس کو زیادہ قرآن یاد ہوتا تھا۔اس روایت میں " ایھم اکثر قرآنا" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔کہ سب کو علم تھا۔کہ کس کو کس قدر قرآن یاد ہے؟اور سب کو قرآن یاد تھا۔ورنہ حضورؐ یہ نہ فرماتے۔کہ ان میں سے کس کو قرآن یاد ہے۔اور کس کو نہیں؟(28)

۲ ۔ بئر معونہ کے واقعہ کی یہ بات قابل توجہ ہے۔کہ ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے قرآن مجید کے ستر حفاظ بھیجے گئے۔کیا یہ بات اس بات کی دلیل نہیں کہ اس پوری سوسائٹی میں حفاظ کی تعداد کس قدر ہو گی۔اور مختلف علاقوں میں جو حفاظ بھیجے جاتے تھے۔ان کی کل تعداد کس قدر ہو گی۔سن 11 ہجری میں مسلیمہ کے مقابلے میں مہاجرین و انصار کل تین سو ۳۰۰ افراد شہید ہوئے۔جن میں ستر صحابہ حافظ قرآن مجید تھے۔(29)

علامہ ذہبی نے بھی قراء صحابہ کی ایک بڑی فہرست پیش کی ہے۔(30)

اصل حقیقت یہ ہے۔کہ عہد نبوی میں کتابت قرآن کا کام بڑے اہتمام سے جاری تھا۔اور حضور ﷺ اس مسئلے کو باقی تمام مسائل پر فوقیت دیتے تھے۔لیکن اس کتابت کی کیفیت یہ تھی۔کہ اسے

> " بین الدفتین جمع نہیں کیا گیا تھا۔کیونکہ قرآن ابھی نازل ہو ہی رہا تھا۔کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔کہ کب کون سی آیت نازل ہو اور اسے کس جگہ رکھا جانا ہو۔اس لئے قرآن کریم کا ایک جگہ ایک جلد میں جمع کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔جب قرآن حکیم کی نزول کی تکمیل ہو گئی تو اس کے بعد حضورؐ کو زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ ہو سکا۔اس لئے اس فریضے کو حضرت ابو بکر صدیق نے پورا کیا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عہد نبوی میں قرآن لکھا ہوا موجود نہیں تھا"۔(31)

اس کے ساتھ ہی اگر ہم ان روایات کو بھی ملالیں جن میں بیان کیا گیا ہے۔کہ صحابہ حضور ﷺ کے سامنے بیٹھے قرآن مجید لکھا کرتے تھے۔اور اس وقت تک کوئی آیت عوام تک نہیں پہنچی تھی۔جب تک حضور ﷺ لکھنے والے سے سن نہ لیتے تھے۔کہ کیا اس نے صحیح بھی لکھا ہے یا نہیں۔

تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔حضور ﷺ اکثر و بیشتر صحابہ کرام سے قرآن مجید سنا بھی کرتے تھے۔حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔کہ حضور ﷺ نے مجھے قرآن مجید تلاوت کرنے کا حکم دیا۔میں نے آپ ﷺ کو سورۃ النساء سنائی۔(32)

The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

Vol.4, No.2, 2026

بہت سے ایسے صحابہ کرام کے اسمائے گرامی بھی ملتے ہیں۔ جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن حکیم زبانی یاد کر لیا تھا۔علامہ جلال الدین سیوطی نے بائیس حفاظ صحابہ کاذکر کیا ہے۔ جنہوں نے حضور ﷺ کی موجودگی میں قرآن حفظ کیا تھا۔(33)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ جن روایات میں ان چار حضرات کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ان میں چوتھے صحابی کا نام میں بھی اختلاف ہے۔علامہ سیوطیؒ کی بیان کردہ ایک روایت میں ان حضرات کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابی ابن کعبؓ،معاذ بن جبلؓ،زید بن ثابتؓ اور ابو زید۔علامہ سیوطیؒ کی بیان کردہ ایک اور روایت میں حضرت ابی بن کعبؓ کی جگہ حضرت ابو الدرداؓ کا نام مذکور رہے۔ پھر آگے چل کر علامہ سیوطیؒ خود لکھتے ہیں۔اس روایت میں قتادہ کی روایت سے مخالفت پائی جاتی ہے۔ایک اس اعتبار سے کہ اس میں صیغہ حصر کے ساتھ چار ہی حضرات کی تصریح کر دی گئی۔اور دوسری وجہ ابو الدرداء کا نام ابی بن کعب کی جگہ آیا ہے۔اور اماموں کی ایک جماعت نے قرآن مجید کے جمع کرنے کا انحصار چار ہی اشخاص میں محدود کر دینا صحیح نہیں جانا۔(34)

ان روایات کے علاوہ علامہ سیوطی نے ہی الاتقان میں ایسے حضرات کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کیا ہے۔ جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن مجید جمع کر لیا تھا۔ان اسمائے گرامی کا اگر احصار وشمار کیا جائے تو یہ فہرست بڑی وسعت اختیار کر جاتی ہے۔(35)

حافظ ابن قیمؒ نے انیس کاتبوں کے نام بیان کیے ہیں۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بہت سے کاتب صحابہ کاذکر کیا ہے۔ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔خلفائے اربعہ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ، حضرت عبد اللہ بن عبداللہ بن ابیؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت عبد اللہ بن الحضرمیؓ، محمد بن مسلمؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت علاد بن الحضرمیؓ وغیرہ۔

یہ ان لوگوں کے اسمائے گرامی ہیں۔ جنہوں نے وقتاً فوقتاً وحی لکھوانے کیلئے حضور ﷺ خود طلب فرمایا کرتے تھے۔اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ کی مجلس میں صحابہ کی ایک کثیر تعداد کسب علم کے لئے موجود رہتی تھی۔ آپ ﷺ پر کوئی آیت نازل ہوتی۔اور آپ اپنے ایک کاتب کو یہ نازل شدہ آیت یا آیات لکھواتے تو حاضرین مجلس بھی اپنے اپنے مصاحف میں یہ آیات شامل کر لیتے۔طبقات ابن سعد۔تاریخ طبری اور صحاح ستہ میں سے اگر ایسے لوگوں کے نام جمع کیے جائیں۔تو ان کی تعداد درجنوں تک پہنچ جاتی ہے۔

تنقیدی جائزہ:

اگر مستشرقین کسی یقینی دلیل کے ساتھ یہ بھی ثابت کر دیتے کہ حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران نہ تھا،تب تو یہ اعتراض کسی طور پر قابل اعتبار ہو سکتا تھا۔لیکن حالت یہ ہے۔کہ اگر ہم انہی سے پوچھیں کہ پھر حضرت مریمؑ کے والد کا نام عمران کے سوا اور کیا تھا؟ تو اس کے جواب میں ان کے پاس خاموشی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ان کے والد کا نام بائبل میں بھی مذکور نہیں اسی انسائیکلوپیڈیا کے اندر مریمؑ کے مقالہ میں یہ اعتراف کی گیا ہے۔کہ حضرت مریمؑ کے والدین کے بارے میں پہلی صدی عیسوی کی کسی تاریخی دستاویز میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔

ایک طرف یہ لاعلمی اور دوسری جانب یہ دعویٰ کہ قرآن حکیم میں حضرت مریمؑ کے والد کا نام مغالطے پر مبنی ہے۔کیا یہ بات درست ہے۔کہ اگر ایک مرتبہ کسی کا نام عمران رکھا جا چکا ہو۔تو اس کے بعد دنیا میں کسی اور شخص کا نام عمران نہیں رکھا جاسکتا۔قرآن مجید نے بہت سے حقائق آشکار کئے ہیں۔بات صرف حضرت عمران تک محدود نہیں۔حضرت مریمؑ کی پیدائش،ان کی تربیت، بچپن اور دیگر بہت سے حالات کے بارے میں خود وہ مآخذ بھی خاموش ہیں۔جنہیں عیسائی مستند سمجھتے ہیں۔چاروں اناجیل میں بھی انکاذکر نہیں۔قرآن مجید سب سے پہلے انہیں منظر عام پر لایا۔ڈکشنری آف دی بائبل میں مذکور ہے۔شروع شروع میں عیسائی دنیا ان انکشافات پر اعتراض کرتی رہی۔مگر اب خود عیسائیت کی ایسی کتابیں دریافت ہو رہی ہیں۔جن میں قرآن کے بیان کردہ ہی حقائق بیان کئے گئے ہیں۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.2, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

لہٰذا جب عیسائی مآخذ میں حضرت مریمؑ کے والد کے بارے میں کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ تو عیسائیوں کو کسی اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ بائبل کی ایک ڈکشنری جو (John Mcrenzie) نے مرتب کی ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ وہ تمام ابہامات بیان ہوئے ہیں۔ جو مریمؑ کی شخصیت کے تعین کے سلسلے میں اہل کتاب کی ان میں موجود ہیں۔ مصنف لکھتا ہے۔

> "A by- produet of this reticence is our almost total lake of genuine information concerning the life and person of Mary"(36)

J .D. Douglas کی مرتب کردہ ڈکشنری آف بائبل میں اس سلسلے میں لکھا ہے۔

> "There have been various attempts toresolve these differences "

William Smith کی ڈکشنری آف دی بائبل میں لکھا گیا ہے۔

یعنی جب خود مستشرقین ہی اپنے ساتھ مستشرقین کے نقطہ نگاہ کی تردید کرتے۔ اور حقائق کی وضاحت کرتے ہیں۔ تو حقیقت کی وضاحت کے لئے ہمارے کہنے کی کچھ گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

قرآن مجید میں اغلاط کی نشاندہی کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (Encyclopedia of Britannica) کے مقالہ نگار نے فرعون کے وزیر ہامان کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ قرآن میں یہ غلطی ہے۔ کہ اس نام سے فرعون کے کسی وزیر کا نام بائبل کے عہد نامہ قدیم میں نہیں ملتا کہ دراصل ہامان، شاہ اسویرس کا وزیر تھا۔ جس کا ذکر بائبل میں ملتا ہے۔ مقالہ نگار کہتا ہے۔ کہ چونکہ محمد ﷺ نے یہ واقعات زبانی سیکھے تھے۔ لہٰذا مغالطے سے یہ نام فرعون کے وزیر کی طرف منسوب کر دیا۔

مقالہ نگار کے اس نقطہ نگار کا تنقیدی جائزہ مولانا تقی عثمانی نے لیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> در حقیقت یہ بات بالکل بے سروپا ہے اور اسی مفروضے پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک نام کے دو آدمی نہیں ہو سکتے واقعہ یہ ہے کہ اسویرس کے جس نام نہاد وزیر کا ذکر مقالہ نگار نے کیا ہے۔ اس کا قصہ صرف بائبل کی ایک مشتبہ کتاب (Apocryphal Book)، آستر میں مذکور ہے۔ اس کتاب کو پروٹیسنٹ فرقہ معتبر تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ مروجہ پروٹیسٹنٹ (protestant) اناجیل میں یہ کتاب موجود نہیں ہے۔ البتہ کھتولک فرقہ اسے مستند سمجھتا ہے۔ اس کتاب میں جس ہامان یا آمان یا ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ شاہ اسویرس کا وزیر نہیں۔ بلکہ صدر دربار تھا۔ (آستر ۱۰۳)(37)

اس کا جو حصہ اس کتاب میں مذکور ہے۔ اسے ہامان کے قرآنی واقعے سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں ہے۔ قرآن نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کے لئے ایک بلند محل تیار کروائے۔ تاکہ اس پر چڑھ کر وہ موسیٰ کے خدا کو جھانک سکے۔ قرآن ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہامان آخر وقت فرعون کا منہ چڑھا وزیر رہا اور بالآخر اسی کے ساتھ غرق ہوا۔ اس کے برعکس کتاب آستر میں ہامان کی طرف اس نوعیت کا کوئی حصہ منسوب نہیں کی گیا۔

کتاب آستر کا ہامان، بخت نصر کے واقعے کے بعد کا ہے۔ اور اس کا قصہ صرف اس قدر ہے۔ کہ صرف ایک اتفاقی واقعہ کی بناء پر صرف مختصر عرصے کے لئے بادشاہ اسویرس کا تقرب اسے حاصل ہوا۔ لیکن اسی دوران وہ یہودیوں کے قتل عام کا حکم جاری کروا دیتا ہے۔ جس کی بناء پر بادشاہ کی ملکہ آستر اس اس کی دشمن ہو جاتی ہے۔ اور بادشاہ اسے سولی پر لٹکا۔ کر اسکی جگہ ایک یہودی مرد کو نامزد کرتا ہے۔ (۱۰۴) عہد نبوی میں قرآن مجید میں اختلافات ثابت کرنے کے لئے جو دلیل دی گئی ہے۔ اس میں ہشام ابن حکمؓ اور حضرت عمرؓ کے تلاوت قرآن مجید کے کسی متفقہ متن کے مفقود ہونے پر یہ دلیل پیش کی۔ کہ اس وقت جبکہ قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا۔ اور حضور ﷺ کی ذات گرامی صحابہ میں موجود تھی، لوگ قرآن حکیم کی تلاوت میں اختلاف کرتے تھے۔ اسکی مثال انہوں نے بخاری اور مسلم شریف میں موجود اس واقعہ سے دی ہے۔ کہ ایک موقع پر نماز میں حضرت عمر نے حضرت ہشام بن حکیم سے سورۃ الفرقان کی

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

آیات سنیں۔ اور نماز کے فوراً بعد حضرت عمرؓ انہیں پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ کیونکہ حکیم بن ہشام کسی اور انداز سے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے دونوں سے ان آیات ک تلاوت سنی اور دونوں کو کہہ دیا کہ تم درست پڑھتے ہو۔

اسی واقعہ سے مستشرقین مندرجہ ذیل نتائج حاصل کرتے ہیں۔

- عہد نبوی میں قرآن کا متفقہ متن موجود نہ تھا۔
- حضور ﷺ نے محض سیاسی مصلحت کی خاطر ان دونوں حضرات کی قرات کو درست قرار دیدیا۔
- یہ اختلاف، اختلاف قرأت یا سبعہ حرف اسے الگ کوئی اور اختلاف تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیمؓ دونوں ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کیا عہد نبوی میں قرآن مجید کا متفقہ نسخہ موجود تھا۔ یا نہیں اس پر گزشتہ صفحات میں تفصیل بحث پیش کی گئی ہے۔ یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کو سیاسی مقصد کی بناء پر درست قرار دے دیا گیا، اس قسم کی بات وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو منصب نبوت کی اہمیت سے واقف نہ ہو۔
- یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے۔ نہ مکہ مکرمہ کا ظاہر ہے۔ مدینہ میں ایسی صورتحال نہیں تھی۔ کہ کسی قسم کی چشم پوشی اختیار کی جاتی اب مسلمان اس دور سے بالکل مختلف تھے۔ جب حضرت عمر اسلام لائے تھے۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ اگر ایک قوم ایک لفظ کو ایک خاص انداز سے جو دوسری قوم میں مروج ہے۔ ادا کر سکے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ دوسری قوم بھی ہیں۔ قوم کے انداز کے مطابق ادا نہیں کر سکتی مثلاً بنو ھذیل اور بنو ثقیف "حتّٰی" کی بجائے "عتّٰی" پڑھتے تھے۔ "حتّٰی" قریش کے محاورے میں تھا۔ جبکہ دوسرے اسے عتّٰی کہتے تھے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ کہ قریش "عتّٰی" نہیں بول سکتے تھے۔ اگرچہ وہ عام طور پر "حتّٰی" ہی بولتے تھے اور یہی اصل لفظ تھا۔ لیکن اگر وہ چاہتے تو "عتّٰی" بھی پڑھ سکتے تھے۔ اور حضرت عمر انہیں اس سے منع بھی فرمایا تھا۔ کہ ھذیل کے محاورے میں لوگوں کو قرآن نہ پڑھاؤ اصل بات یہ تھی۔ قریش دوسری اقوام کے محاورات کے مطابق الفاظ ادا کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں لوگ ہر سال حج اور میلوں وغیرہ پر جمع ہوا کرتے تھے۔ اور قریش کو چونکہ ہر ایک قوم اور قبیلہ سے لین دین اور تجارت کا واسطہ پڑتا تھا اور علاوہ ازیں علمی مناظرے اور مقابلے بھی ہوتے رہتے تھے۔ اس لئے قریش کو ہر ایک قوم کے محاورے سے واقفیت پیدا کرلی، لازمی ہو گئی تھی۔

اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ غالباً حضرت ہشام نے سورۃ الفرقان کی یہ آیات حضور ﷺ سے اس وقت سنی ہونگی۔ جب وہ کسی اور قبیلہ کو قرآن پڑھا رہے ہونگے۔ اور اسی انداز سے انہوں نے یاد کرلیا۔ حضور ﷺ کی طرف سے بحکم خدا یہ اجازت تھی۔ فاقروا ما تیسر یعنی جس طرح آسانی ہو اسی طرح پڑھ لو۔

منہج و استدلال:

مولانا صاحب نے یہاں پر مخاصمانہ اسلوب اختیار کیا ہے مثلاً سورۃ آل عمران کے حاشیہ نمبر ۲۲۰ میں لکھتے ہیں کہ کسی درجہ میں اور ایک چھوٹے پیمانے پر تو یہ فرض ہر فرد امت کا ہے لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لیے ہو۔ اس کا کام ہی یہی ہو کہ خلق کو دعوت خیر دے معروف (بھلے کاموں) کیطرف بلائے منکر (برے کاموں) سے روکے۔ اتہ یہ بھی کمال رحمت اور ضعف بشری کی انتہائی رعایت ہے کہ ساری امت کے بجائے اس فریضہ پر ایک مخصوص جماعت ہی کو مامور کیا گیا۔ ورنہ اس فریضہ کی ادائی کے لیے جن اوصاف اور شرائط کی ضرورت ہے۔ کیا عجب کہ بہتوں کو وہ سخت دشوار معلوم ہوتے۔ (38)

مَا أَنزَلَ اللّٰہُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ (39)

اللہ نے انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

Vol.4, No.2, 2026

یہ کہنے والے کون تھے ؟روایات میں آتا ہے کہ کوئی یہودی تھا اور سیاق قرآنی خود بھی کہہ رہا ہے کہ یہ قول کسی یہودی کی زبان سے نکلا تھا۔ بظاہر یہ مقولہ یہودی عقائد کے بالکل منافی ہے لیکن جوش مخالفت ایسی چیز ہے کہ اس حالت میں اپنے خلاف عقائد باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں۔ غلو کے وقت اپنے مسلک اور اپنے مسلمات کی بھی پروا نہیں رہ جاتی۔ خوش قسمتی سے بعض روایات بھی اس خیال کی تائید میں موجود ہیں۔ یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اب کوئی کتاب نہیں اتاری۔ آیت میں جو اشکال ہے حیرت ہے کہ اس پر تفصیل کے ساتھ نظر بجز فخر المفسرین امام رازی کے اور کسی کی نہ گئی۔ مشکل یہ ہے کہ یہ قول اگر کسی مشرک کا ٹھہرایا جاتا ہے تو معاً بعد اس کا جو جواب قرآن مجید میں درج ہے یعنی حضرت موسیٰ کے اوپر جو نزول توریت ہوا اس سے استدلال تو اس جواب کا کوئی ربط مشک کے قول سے نہیں ٹھہرتا۔ قریش عرب مشرکین ہند کی طرح نفس نبوت اور سلسلہ وحی ہی کے قائل نہ تھے اور اگر یہود کا قول مانا جائے تو دشواری وہی آکر واقع ہوتی ہے کہ کوئی یہودی اپنے مسلمات کے خلاف ایسی بات زبان سے نکال کیونکر سکتا تھا۔ امام رازی نے سچ فرمایا کہ "فی ہدہ الایۃ بحث صعب" (آیت کے اندر ایک سخت اشکال ہے) اور پھر اسے اپنی خداداد ذہانت سے حل یوں فرمایا ہے کہ اس یہودی کا مقصد صرف نبوت محمدی کی تکذیب تھی۔ اس پر اللہ کی طرف سے جواب یہ ملتا ہے کہ جب تو موسیٰ کے صاحب وحی ہونے کا قائل ہے تو یہ تو کہہ بھی نہیں سکتا کہ حق تعالیٰ کسی بندہ سے مخاطبہ نہیں کرتا اور اس لیے محمد ﷺ پر وحی آنانا ممکن ہے۔ زیادہ سے زیادہ تو ان سے ان کی صداقت کے ثبوت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ(40)

فقہاء مفسرین نے آیت کے ذیل میں بھی لکھا ہے۔ کافروں سے تشبیہہ تک جب جائز نہیں تو ان کی ساتھ مصاحبت تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہو گی۔

منہج واستدلال:

مولانا صاحب نے یہاں پر فقہانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ مثلاً مولانا صاحب نے سورۃ النساء کے حاشیہ نمبر ۴۴۴ میں لکھا ہے کہ ترکہ کی تقسیم اجتماعی و معاشری زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اسکی عادلانہ تقسیم معاشرہ کی فلاح و بہبود کا بہت کچھ مدار ہے اور وہ نام نہاد آسمانی کتابیں دنیا کے ہدایت نامہ کی حیثیت سے کامل نہیں ناقص ہیں۔ (41)

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (42)

اسی پکار کا نام اصطلاح شریعت میں اذان ہے اور یہ اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہے۔ دوسرے مذہبوں میں اول تو روزانہ عبادت اجتماعی کا دستور بھی نہیں اور پھر روزانہ یا ہفتہ وار جب کسی بھی وقت عبادت کے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے تو اس موقعہ پر کام گھنٹہ کی ٹھنا ٹھن یا گھنٹی کی ٹن ٹن سے لیا جاتا ہے۔ یہ شرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے عبادت کے اعلان دعوت کا طریقہ ایسا نکالا جو عبادت کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ بجائے خود بھی ایک عبادت ہے۔ اذان میں کیا ہوتا ہے ؟نہ باجہ نہ گانہ، نہ جرس نہ ناقوس نہ قومی نغمہ نہ ملی ترانہ بس اللہ کی حکومت و کبریائی۔ اللہ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو نماز کی طرف بلاوا۔

منہج واستدلال:

مولانا صاحب نے یہاں پر فقہانہ اسلوب اختیار کیا ہے مثلاً مولانا صاحب نے سورۃ النساء کے حاشیہ نمبر ۴۴۴ میں لکھا ہے کہ ترکہ کی تقسیم اجتماعی و معاشری زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اسکی عادلانہ تقسیم معاشرہ کی فلاح و بہبود کا بہت کچھ مدار ہے اور وہ نام نہاد آسمانی کتابیں دنیا کے ہدایت نامہ کی حیثیت سے کامل نہیں ناقص ہیں۔ (43)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (44)

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337
Vol.4, No.2, 2026

تلبیس کے معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپالینا، ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گڑھے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اس سے ملتی جلتی ہوئی شی کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈا ہے ۔موجودہ فرنگیوں کی طرح یہود بھی اس فن میں استادرہ چکی ہے۔ احکام الٰہی کو بدل دینے کی ممکن دو صورتیں ہیں ایک ان میں اندرونی تحریف، تلبیس و تخلیط دوسرے ان کا سرے سے اخفاو کتمان۔ یہود نے اپنے دینی صحیفوں میں دونوں طرح کے عمل جاری کرر کھے تھے۔ تورات کے مکرو تلف ہو جانے سے اول تو یوں ہی کتنے احکام سرے سے غائب اور گم ہو گئے تھے پھر جو باقی رہ گئے تھے۔ انہیں حاملان توریت نے اپنے اپنے اغراض و مصالح کے ماتحت خدا معلوم کہاں سے کہاں پہنچادیا تھا۔ (کہ تم تلبیس و کتمان کے مرتکب ہو رہے ہو) یعنی تحریف تمہارے ارادہ اختیار سے باہر ہے۔ دیدہ دانستہ تمہارے علم کے اندر ہو رہی ہے۔ یہ بھی معنٰی ہوسکتے ہیں کہ تم اپنے ان اعمال تلبیس و کتمان کی شناعت سے بھی خوب واقف ہو۔

منہج واستدلال:

مولانا نے یہاں پر صوفیانہ منہج اختیار کیا ہے مثلاً مولانا صاحب سورۃ الکھف کے حاشیہ نمبر ۴۴،۴۳ میں بیان کرتے ہیں کہ (نہ کہ کسی دینوی غرض باطل سے) وصف ان مؤمنین کے اخلاص کامل کا بیان ہو رہا ہے "بالغدٰۃ والعشیّ یعنی علی الدوام"۔ دو وقتوں میں حصر مقصود نہیں "المراد کونھم مواطبین علی ھذا العمل فی کل الاوقات (کبیر) شاع استعمال مثل ھذہ العبارۃ للدوام" (روح)۔

(خواہش نفس کی پیروی میں) "ولا تعد عینک عنھم"۔ محاورہ میں اس سے مراد ہے توجہی، بے اعتنائی کرنے سے ہے "ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا""رسول اللہ صلعم "کو جوش وانہاک تبلیغ میں قدرۃ اسکی فکر زیادہ رہا کرتی تھی کہ رؤسا قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تو امت کے جمال و کمال میں نمایاں اضافہ ہو جائے ۔ آیت میں اشارہ اس جانب ہے کہ امت کا جمال و کمال اس ظاہری ساز و سامان و دینوی اور مال و جاہ مادی سے نہیں بلکہ وہ اخلاص و اطاعت کاملہ سے ہے خواہ انکے وجود کا تحقق فقراء و غرباء و عوام الناس ہی میں ہو۔ "من اغفلنا قبلہ عن ذکرنا" عناد ارادی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ حق کے لیے قلب میں کوئی طلب باقی نہیں رہ جاتی اور اسی سزا کو تکوینی طور پر اپنی جانب بحیثیت مسبب الاسباب کے منسوب کر دیا گیا ہے۔ ولا تطع فقہاء نے کہا کہ یہ نہی تحریمی ہے اسلئیے اتباع فساق حرام ہے "ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا" مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اغنیاء کیطرف ایسا میل و تواضع جسکی بنیاد انکا اغنا ہو آیت اسکی مذمت میں ہے۔ آیت آجکل کے بہت سے مصلحین کیلیئے قابل غور ہے آج ہر "اصلاح" پر زور (خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی مالی و معاشی حیثیت چمک جائے گی یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کر لیں گے۔ غرض مقصود و مطلوب ہر "اصلاح" سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے یہی دنیا اور اسکی سربلندیاں ہی رکھی جاتی ہیں۔ (45)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰي وَمَنْ حَوْلَهَا (46)

یعنی ساری دنیا کو "مبارک" "پہلی صفت قرآن مجید کی یہ ارشاد ہوئی کہ یہ ایک مبارک کتاب ہے اس سے خلق جتنا چاہے بہ قدر اپنے ظرف و ہمت کے استفادہ کرے۔ عمر رازی کہتا ہے کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کئے۔ نقلی بھی اور عقلی بھی لیکن کسی علم سے بھی مجھے دین و دنیا میں وہ خیر و سعادت نہ محسوس ہوئی جو اس علم (قرآن) کی خدمت سے حاصل ہوئی۔ "ومصدق الذی بین یدیہ" دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے سے سابق ہر وحی اور ہر رسالت کی تصدیق کرتی ہے ولتنذر ام القری سے مراد یہاں کے رہنے والے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے اشارہ شہر مکہ کی جانب ہے۔

حوالہ جات

1. الحجر، ۹:۱۵
2. الزاوی، طاہر احمد قاموس المحیط، بیروت، جلد دوم، صفحہ: ۱، ۳

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.2, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

3. القیامۃ،۷۵:۱۷۔۱۸
4. العنکبوت،۲۹:۴۹
5. الطور،۵۲:۱تا۳
6. الواقعۃ،۵۶:۸۸۔۸۹
7. الفرقان،۲۵:۳۲
8. ایضاً،ص:۴۷
9. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ج:۳، باب جمع القرآن مسلم بن الحاج القشیری، الجامع الصحیح، مصر، ۲۳۴ھ، ج:۳، باب جمع القرآن
10. ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، جلد: ہفتم، ص:۲۴۳
11. المائدہ،۵:۶۷
12. ابن عبد البر، الاستعباب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۲، ص:۴۸۵
13. عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، ج: دہم، ص:۸۔۲
14. ابن الندیم، الفہرست، العر، ص:۶٦
15. سیوطی، جلد:۱، ص:۶۱
16. ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، دمشق، ۱۹۶۵ء، ج:۱۱، س:۱۲۱
17. سیوطی، ج:۱، ص:ص:۷۳
18. ایضاً، ج:۱، ص:۷۳
19. علی المتقی، کنز العمال، ج۱، ص:۲۱۷
20. سیوطی، الاتقان، ج:۱، ص:۵۸
21. الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، مصر، ۱۹۶۸؟ ج:۱، ص:۲۸
22. ایضاً، ج:۱، ص:۶۰
23. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مصر، ۱۹۵۳، ج:۳:ص:۱۶۲
24. سیوطی، الاتقان:ج:۱ص:۵۹
25. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ج:۵، ص:۹۳
26. ایضاً، ج:۱، ص:۶۷
27. حاکم، امام، مستدرک علی الصحین، فی الحدیث، ریاض، (س۔ن) ج:۲، ص:۲۲۹
28. بحوالہ سیوطی، الاتقان، ج:ص:۵۸
29. ایضاً، ج:۱، س:۵۸
30. ایضاً، ج:۱ص:۶۰
31. بحوالہ عبد الطیف رحمانی، تاریخ قرآن، لاہور، ص:۱۹
32. نولڈیکے، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، ج:۱۳، ص۔ ۴۸۳
33. ایضاً، ج۱۳، ص:۴۸۳

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

Vol.4, No.2, 2026

34. سمتھ، ولیم، دی نہو سمتھس بائبل ڈکشنری، نیو پارک، ۱۹۴۴، ص:۲۳۰

35. نولد یکے، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، ج:۱۳، ص:۴۸۳

36. ہٹینگر، ڈکشنری آف دی بائبل، ص:۲۸۰

37. ہٹینگر، ڈکشنری آف دی بائبل، ص:۱۰۳

38. دریاآبادی، مولانا، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، ج:۱، تاج کمپنی، لاہور، ص:۱۴۸

39. الانعام،۶:۹۱

40. آل عمران، ۳:۱۱۸

41. دریاآبادی، مولانا، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، ج:۱، تاج کمپنی، لاہور، ص:۱۸۰

42. المائدہ،۵:۵۸

43. دریاآبادی، مولانا، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، ج:۱، تاج کمپنی، لاہور، ص:۱۸۰

44. البقرہ،۲:۴۲

45. دریاآبادی، مولانا، عبدالماجد، تفسیر ماجدی، ج:۱، تاج کمپنی، لاہور، ص:۶۷۰

46. الانعام،۶:۹۲